© rasailojaraid.com

حدیث افتراقِ امت

اور

اس کی اسناد پر ایک نظر

از جناب مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی ندوۃ المصنفین دہلی

ابوہریرہؓ کی حدیث

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تفرقت الیھود علی احدی وسبعین او ثنتین وسبعین فرقۃ والنصاری مثل ذلک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ (ترمذی)	ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے یہود ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے اور نصاریٰ بھی اتنے ہی فرقوں میں منقسم ہوئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوجائے گی۔

عبداللہ بن عمروؓ کی روایت

امام ترمذیؒ نے حدیث مذکور کی روایت کرنے والوں میں چار صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمروؓ کی روایت تفصیل کے ساتھ پیش کی ہے اور حضرت سعدؓ اور عوف بن مالکؓ کا صرف حوالہ دیکر چھوڑ دیا ہے پھر اول الذکر صحابی کی حدیث پر صحت کا حکم لگایا ہے اور ثانی الذکر[1] کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے۔

حافظ سخاوی نے بھی مقاصد حسنہ میں اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے اور شیخ محمد طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں اسے نقل فرماکر کوئی اختلافِ رائے ظاہر نہیں کیا۔

امام شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں ابوہریرہؓ کی روایت پر کئی جگہ صحت کا حکم

[1] حاکم کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن زیاد افریقی ہے وہ ضعیف ہیں (مستدرک ج ۱ ص ۱۲۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگایا ہے۔[۵۱]

حدیثِ افتراق کے پندرہ راویوں کے نام

شارح سفر السعادۃ نے امام ترمذی کے پیش کردہ ناموں پر گیارہ صحابہ کا اور اضافہ کیا ہے انس[۱]۔ جابر[۲]۔ ابوامامہ[۳]۔ ابنِ مسعود[۴]۔ علی[۵]۔ عمرو بن عوف[۶]۔ عویمر[۷]۔ ابوالدرداء[۸]۔ ابومعاویہ[۹][۵۲] ابنِ عمر[۱۰]۔ واثلہ[۱۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس طرح اس حدیث کے رواۃ کی تعداد ۱۵ تک پہنچ جاتی ہے جن میں ابوہریرہ رضؓ کی روایت کے متعلق جہاں تک ہمیں معلوم ہے کسی نے کوئی قابلِ ذکر ردوقدح نہیں کی۔ بعض دوسرے صحابہ کی روایات میں البتہ کچھ کلام کیا گیا ہے جو مختصراً درج ذیل ہے

حضرت انس رضؓ کی روایت

شیخ جلال الدین سیوطیؒ حضرت انس رضؓ کی روایت[۱] عقیلی اور دارقطنی کے حوالہ سے پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں۔ والحدیث المعروف واحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ (یعنی معروف حدیث کے الفاظ یہ ہیں" ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور وہ مسلمانوں کی جماعت ہوگی) پھر بطریق ابنِ عدی نقل کر کے کہتے ہیں والمحفوظ فی المتن (یعنی اس متن کے جو الفاظ محفوظ ہیں یہ ہیں)" تفترق امتی عن ثلاث وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحدۃ "[۵۳]

اہلِ علم جانتے ہیں کہ معروف ومحفوظ منکر وشاذ کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور شاذ ومنکر میں صرف راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا فرق ہے گویا پہلے الفاظ کے خلاف روایت کرنیوالے راوی ثقہ نہیں ہیں اور دوسرے متن کے خلاف راوی اگرچہ ثقہ ہیں مگر ان کے الفاظ میں شذوذ ہے۔ بہرحال معروف ومحفوظ کہکر حافظ سیوطیؒ نے حضرت انس رضؓ کی روایت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کردی ہے۔

---

۵۱ دیکھو ج ۲ ص ۱۶۳ و ۱۷۰ و ۲۰۶۔ اور الموافقات ج ۴ ص ۱۷۷۔ حاکم نے حدیثِ مذکور کو دو جگہ روایت کیا ہے (مستدرک ج ۱ ص ۶ و ۱۲۸)۔ ذہبی فرماتے ہیں علی شرط مسلم۔ یعنی یہ حدیث مسلم کی شرط پر ہے۔

۵۲ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ مسند احمد وابوداؤد صحابی کا نام معاویہ ذکر کیا ہے اگر کتب حدیث میں کہیں ابومعاویہ کی روایت مل جائے تو خیر ورنہ بظاہر یہاں راوی معاویہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کنزالعمال میں بھی راوی کا نام معاویہ ہے بحوالہ مسند احمد وطبرانی۔ مستدرک (دیکھو ج ۱ ص ۵۴) مستدرک میں بھی معاویہ ہے (دیکھو ج ۱ ص ۱۲۸)

۵۳ اللآلی ص ۲۴۸ و ۲۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حافظ نورالدین ہیثمی نے اس مقام پر قدرے مبسوط کلام کیا ہے اور اس حدیث کے طرقِ سنن مشہورہ کے علاوہ مسند ابویعلیٰ، مسند بزار اور طبرانی سے پیش فرما کر ہر صحابی کی روایت پر تنقید کی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کو بطریق مسند ابو یعلیٰ ایک طویل سیاق کے ساتھ نقل فرما کر لکھتے ہیں

وبزید الرقاشی ضعفہ الجمہور وفیہ توثیق لین وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ ۵۱	اس میں ایک راوی یزید رقاشی ہیں جس کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے اور ہلکے درجہ پر اس کی توثیق بھی کی گئی ہے بقیہ تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

ایک جگہ اسی حدیث کا دوسرا طریقہ پیش کر کے اس پر حسب ذیل کلام کرتے ہیں۔

رواہ ابو یعلیٰ وفیہ ابومعشر نجیح وفیہ ضعف۔ ۵۲	اس حدیث کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی ابومعشر نجیح ہے اس میں قدرے ضعف ہے۔

حضرت ابوامامہؓ کی روایت

حضرت ابوامامہ کی روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

رواہ ابن ماجہ والترمذی باختصار رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات ۵۳	اس کو ابنِ ماجہ اور ترمذی نے مختصراً روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

ساتویں جلد میں اتنی تفصیل اور مذکور ہے۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر بنحوہ وفیہ ابوغالب وثقہ یحییٰ بن معین وغیرہ و	اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور معجم کبیر میں بھی اسی کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی ابوغالب ہے ۵۴ یحییٰ بن معین

---

۵۱ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۲۶ - ۵۲ ایضاً ج ۷ ص ۲۵۸ - ۵۳ ایضاً ج ۶ ص ۲۳۴ -

۵۴ ابوغالب کے نام میں اختلاف ہے کوئی حزور کوئی سعید بن حزور اور کوئی نافع کہتا ہے۔ تہذیب التہذیب کی بارہویں جلد میں حافظ ابن حجر نے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے بعض کتب میں ابوغالب کی بجائے ابن ابی غالب لکھا گیا ہے ہمارے نزدیک اس حدیث کے راوی ابوغالب ہی ہیں اسی طرح کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۳۳ میں زار کی بجائے حزور (حرز ور) لکھا ہے وہ بھی کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقیۃ رجال الاوسط ثقات وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے بقیہ معجم اوسط کے
وکک احدی اسناد الکبیر سب راوی ثقہ ہیں اور اسی طرح معجم کبیر کی ایک
سلہ اسناد کا حال ہے۔

حضرت سعد بن وقاص کی روایت[۵] حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت مسند بزار سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔

رواہ البزار وفیہ موسیٰ بن عبیدۃ مسند بزار میں اس کو روایت کیا ہے اور اس میں ایک
الربذی وھو ضعیف سلہ راوی موسیٰ بن عبیدۃ ربذی ضعیف ہے۔

حضرت ابن عمر کی روایت۔[۶] پھر اسی جلد میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت کے متعلق حسب ذیل ارشاد ہے۔

رواہ ابو یعلی وفیہ لیث بن اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی
ابی سلیم وھو مدلس و لیث بن ابی سلیم ہے جو مدلس ہے۔ بقیہ راوی[سلہ]
بقیۃ رجالہ ثقات۔ سلہ ثقہ ہیں۔

حضرت ابو الدرداء و واثلہ کی روایت[۸] پھر حضرت ابو الدرداء، ابو امامہ، واثلہ اور انس کی روایات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

رواہ الطبرانی وفیہ کثیر بن مروان اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ایک راوی
وھو ضعیف جداً سلہ کثیر بن مروان ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔

حضرت عمرو بن عوف کی روایت[۹] اس کے بعد حضرت عمرو بن عوف کی روایت بحوالہ طبرانی نقل کر کے اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔

رواہ الطبرانی وفیہ کثیر بن عبداللہ اس میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے ترمذی نے
وھو ضعیف وقد حسن الترمذی لہ اس کی ایک حدیث کی تحسین بھی کی ہے بقیہ تمام راوی
حدیثاً وبقیۃ رجالہ ثقات سلہ ثقہ اور قابلِ اعتبار ہیں۔

سلہ، سلہ مجمع الزوائد ج ۷، ص ۲۵۹۔ سلہ ایضاً۔
سلہ یہ راوی مختلف فیہ ہے باایں ہمہ اس کو ثقہ بھی کہا گیا ہے۔
سلہ مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۹۔ سلہ ایضاً ج ۷، ص ۲۶۰ - و مستدرک ج ۱ ص ۱۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلا شبہ کثیر بن عبداللہ کے بارے میں محدثین کی رائے اچھی نہیں ہے اور اسی وجہ سے امام ترمذی کی تحسین کو بھی قابلِ اعتراض سمجھا گیا ہے مگر اہلِ علم و تجربہ جانتے ہیں کہ ضعیف رواۃ کی روایات کی اگر ترمذی تحسین کرتے ہیں تو بیشتر اسی جگہ کرتے ہیں جہاں تعامل یا خارجی دلائل سے فی نفسہ روایت کی قوت ثابت ہو جاتی ہے۔ صرف اس ضعیف طریقہ ہی پر ان کی نظر نہیں ہوتی بنابریں اگر ابوہریرہؓ کی روایت کی صحت کے بعد اس طریقہ کی بھی تحسین کر دی جائے تو گنجائش ہے

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت [10] باب افتراقِ امت کے خاتمہ پر حافظ نورالدین نے حضرت ابنِ مسعودؓ کی حدیث تحریر فرما کر لکھا ہے۔

رواہ الطبرانی باسنادین و	اس حدیث کو طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے
رجال احدھما رجال الصحیح	جس میں ایک سند کے راوی وہی ہیں جو صحیح کے راوی
غیر بکیر بن معروف	ہیں سوائے بکیر بن معروف کے کہ وہ صحیح کا راوی
وثقہ احمد وغیرہ وفیہ	نہیں ہے مگر امام احمد وغیرہ نے اس کی توثیق کی
ضعف۔	ہے اور اس میں کچھ ضعف ہے۔

حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت [11] عوف بن مالکؓ کی روایت مستدرک حاکم میں موجود ہے اور اور اس کے متعلق حاکم کے الفاظ یہ ہیں۔

ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین [1] یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

حاکم کی تصحیح کو عام طور پر علماء بنظر اعتبار نہیں دیکھتے مگر یہاں حافظ ذہبی نے بھی سکوت کیا ہے اور ان کے خلاف کوئی نکتہ چینی نہیں کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذہبی کو بھی ان سے اتفاق ہے ورنہ وہ حسبِ عادت یہاں بھی اپنا اختلاف رائے ظاہر کرتے۔

حضرت علیؓ کی حدیث [12] علامہ شاطبیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کر کے لکھا ہے لا أضمن عھدۃ صحتہ میں اس کی صحت کی ذمہ داری نہیں لیتا [2] مگر کوئی خاص جرح بھی نہیں فرمائی۔

---

[1] مستدرک ج ۴ ص ۴۳۰۔ [2] الاعتصام ج ۲ ص ۲۱۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث معاویہؓ ۱۳

اور ابوہریرہؓ کی حدیث نقل کرکے حاکم فرماتے ہیں۔

هذه اسانيد تقام بها الحجة في تصحيح هذا الحديث [1]

یہ اسانید ایسی ہیں کہ ان کی بنا پر حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔

اتنی بات کو ذہبیؒ نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۱۵ صحابہ میں سے تیرہ صحابہ کی احادیث پر علماء کے یہ خیالات ہیں ان میں ابوہریرہؓ۔ عبداللہ بن عمرو۔ انس۔ ابوامامہ۔ عمرو بن عوف۔ معاویہ۔ ابن عمر۔ عوف بن مالک کی روایات صحیح یا حسن کے درجہ پر آسکتی ہیں بقیہ روایات کی اسانید اگرچہ ضعیف ہوں مگر تعدد طرق کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ بھی قاطبۃً نظر انداز کرنے کے لائق نہیں۔ اب اس مجموعہ روایات کو سامنے رکھکر انصاف کیجیے کہ جو حدیث اتنے صحابہ سے مختلف صحیح اور حسن طریقوں سے مروی ہو کیا محض چند شبہات کی وجہ سے اس سے صرفِ نظر کرلینا درست ہوگا۔

کسی حدیث پر اجمالی حکم اس کے مجموعہ طرق پر حکم نہیں ہے

مذکورہ بالا بیان سے مختصراً یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک حدیث کتنے کتنے صحابہ سے روایت کی گئی ہے۔ پھر ایک ایک صحابی کی حدیث کے کتنے کتنے طرق ہیں۔ اس لئے کسی حدیث کے متعلق ضعف یا صحت کا حکم دیکھکر پہلے یہ تحقیق کرلینا چاہئے کہ یہ حکم اس کے تمام طریقوں پر حاوی ہے یا کسی خاص صحابی کی حدیث یا اس کے کسی خاص طریقہ سے متعلق ہے پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر محدث کے سامنے ہر حدیث کے جملہ طرق مستحضر ہوں۔ امام ترمذی جیسا جلیل القدر امامِ حدیث یہاں صرف چار صحابہ کا پتہ دیتا ہے حالانکہ ان کے علاوہ گیارہ صحابہ اور بھی ہیں جو اس کو روایت کرنے والے ہیں۔ پس اگر کوئی محدث کسی حدیث پر کوئی اجمالی حکم لگاتا ہے تو یہ صرف اس کے علمی استحضار کے لحاظ سے ہے۔ اب اگر خارجی ذرائع اور تحقیقات سے کسی خاص طریقہ کا ضعف وصحت ثابت ہوجائے تو یہ اس کے مبہم حکم کے ہرگز معارض نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ اس کے علم میں

---

[1] مستدرک ج ا ص ۱۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ طریق نہ ہو ہاں اگر ان طرق کے علم کے بعد بھی اس کی رائے وہی رہتی ہے تو اب اس کو مخالف یا موافق کہنا درست ہوگا اس کے بعد اختلافِ رائے کا مرحلہ پھر زیر بحث رہے گا۔ راویوں اور روایات کے سلسلہ میں تضعیف و توثیق کا معاملہ اہلِ علم کے نزدیک دن رات کی بات ہے۔ ایک ناواقف ایک محدث کی رائے نقل کرکے اسے سارے طریقوں پر حاوی بنا دیتا ہے اور اس ایک رائے کو سارے محدثین کی رائے سمجھ بیٹھتا ہے اور واقفِ حال کو تحقیق کے بعد غور کرنا پڑتا ہے کہ دلائل کا پلہ کس طرف بھاری ہے۔ یہی حدیث جس کے متعلق آپ نے یہ تفصیل پڑھی۔ اب آیئے اس کے مخالف آرار کا حال دیکھئے۔ علامہ مجدالدین فیروزآبادی سفر السعادۃ کے خاتمہ پر . . . . اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔

لم یثبت فیہ شئ — اس باب میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی

احادیث پر تنقید کی تین تعبیرات اور ان کا فرق

ان الفاظ کو دیکھ کر بعض لوگ تو یہاں تک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ مصنف کے نزدیک یہ حدیث گویا موضوع ہے۔ کاش ان حضرات نے اگر اس کتاب کی ذرا ورق گردانی کی ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ مصنف نے احادیث پر حکم لگانے کے لئے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں کہیں "باطل موضوع" اور کہیں "لم یصح فیہ حدیث" اور کہیں "لم یثبت" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ان تینوں الفاظ میں بڑا فرق ہے پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ اس مضمون کو حدیثِ رسول کہنا ہی غلط ہے اور دوسرا لفظ صرف صحت کی نفی کرتا ہے خواہ کسی درجے حدیث ثابت ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ قنوت جہر بسم اللہ اور وضوء بالنبیذ کی احادیث پر بھی مصنف نے یہی حکم لگایا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب احادیث بے اصل ہیں۔ اسی طرح "لم یثبت" کا لفظ ضعیف طرق کی نفی نہیں کرتا۔ اگر ان تعبیرات کے فروق کی رعایت کی جائے تو پھر بہت سے مواضع پر مصنف کے کلام سے اعتراض اٹھ جائیگا۔[۱]

---

[۱] مولانا عبدالحی صاحبؒ نے رسالہ الرفع والتکمیل میں ان فروق کی پوری تشریح فرما دی ہے صفحہ آئندہ کے حاشیہ پر ملاحظہ ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ ازیں شارح سفر السعادۃ لکھتے ہیں کہ علامہ مجدالدین کا یہ حکم صرف ان الفاظ پر ہے جو یہاں انھوں نے نقل کئے ہیں یعنی ۷۲ فرقوں ہیں امت کا افتراق۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ لفظ تمام طریقوں کے خلاف ہے۔ حافظ سیوطی نے حضرت انسؓ کی روایت کے صرف ایک طریقہ میں یہ لفظ پیش کیا ہے بقیہ سب طرق و روایات میں ۷۳ کا لفظ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ سفر السعادۃ کے بعض نسخوں میں دو کی بجائے تین کا لفظ بھی موجود ہے اس کے متعلق شارح فرماتے ہیں "اگر ایں چنیں است محل سخن است" اگر ۷۳ کی روایت کے متعلق بھی مصنف کی یہی رائے ہے تو اس میں کلام ہے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) کثیرا ما یقولون لا یصح اولا یثبت ھذا الحدیث ویظن منہ من لا علم لہ انہ موضوع او ضعیف وھو مبنی علی جھلہ بمصطلحاتھم وعدم وقوفہ علی مصرحاتھم۔ فقد قال علی القاری فی تذکرۃ الموضوعات لا یلزم من عدم الثبوت وجود الوضع انتھی۔ وقال الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیث الاذکار المسمی بنتائج الافکار ثبت عن احمد بن حنبل انہ قال لا اعلم فی التسمیۃ فی الوضوء حدیثا ثابتا قلت لا یلزم من نفی العلم ثبوت العدم وعلی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لاحتمال ان یراد بالثبوت الصحۃ فلا ینتفی الحسن وعلی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت عن کل فرد نفیہ عن المجموع۔ وقال نور الدین السمھوری قلت لا یلزم من قول احمد فی حدیث التوسعۃ علی العیال یوم عاشوراء لا یصح ان یکون باطلا فقد یکون غیر صحیح وھو صالح للاحتجاج بہ اذا الحسن رتبۃ بین الصحیح والضعیف ام۔ وقال الزرکشی فی نکتہ علی ابن الصلاح۔ بین

بسا اوقات محدثین لا یصح یا لا یثبت کا لفظ فرماتے ہیں ناواقف اس کا مطلب یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے یہ خیال ان کی اصطلاح سے جہالت اور ان کی تصریحات سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔ ملا علی قاری تذکرۃ الموضوعات میں فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت کہنے سے اس کا موضوع ہوجانا ضروری نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نتائج الافکار میں فرماتے ہیں کہ امام احمد فرماتے تھے کہ میرے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق کوئی حدیث ثابت نہیں میں کہتا ہوں کہ پہلے تو کسی شخص کے نہ جاننے سے اس چیز کا فی الواقع نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو پھر نفی ثبوت سے اس کا ضعیف ہونا ثابت نہیں ہوتا اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہر ہر فرد کے نفی ثبوت سے مجموعہ کا ثبوت نہ ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ نورالدین سمہوری فرماتے ہیں کہ امام احمد کے عاشوراء کی حدیث کے متعلق (لا یصح) فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ باطل ہو، ہوسکتا ہے کہ صحیح تو نہ ہو مگر قابل استدلال ہو کیونکہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ایک مرتبہ حسن کا بھی ہے زرکشی نکت ابن صلاح میں فرماتے ہیں۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابنِ حزم بھی زیرعنوان "الکلام فیمن یکفر ومن لا یکفر" اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں۔

ھذان حدیثان لا یصحان اصلا عن طریق الاسناد۔ [1]	یہ دونوں حدیثیں اسنادی لحاظ سے بالکل صحیح نہیں۔

یہاں بھی صحت کی نفی ہے اب ان دونوں حضرات کے یہ مجمل حکم دیکھئے اور اس کے مقابلہ میں وہ ساری تفصیلات سامنے رکھئے جہاں ایک ایک روایت کی پوری چھان بین کی گئی ہے۔

ابن حزم کی رائے فیصلہ کن نہیں ہے ہمیں معلوم نہیں ہے کہ ان حفاظِ حدیث کے سامنے وہ سب طرق موجود بھی ہیں یا نہیں اور اگر موجود بھی ہیں تو کیا اصولِ حدیث کا یہ کوئی ضابطہ ہے کہ جس طرف ابنِ حزم ہوجائیں بس راہِ صواب اسی میں منحصر ہوجائے گی اگر ایک طرف حافظ ابنِ جوزی کا تشدد امت میں ضرب المثل ہے تو اس کے ساتھ ہی ابنِ حزم کی زبان کا سیفِ حجاج ہونا بھی مشہور ہے [2]

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) قولنا موضوع وبین قولنا لا یصح بون کثیر فان الاول اثبات الکذب والاختلاق والثانی اخبار عن عدم الثبوت ولا یلزم منہ اثبات العدم وھذا یجئ فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لا یصح ونحوہ اھ۔ وقال علی القاری... مع ان قول السخاوی لا یصح لا ینافی الضعف والحسن اھ۔ قال الزرقانی ونقل القسطلانی عن ابن رجب ان ابن حبان صححہ فیہ رد علی قول ابن دحیہ لم یصح فی لیلۃ نصف شعبان شئ الا ان یرید نفی الصحۃ الاصطلاحیۃ فان حدیث معاذ ھذا حسن لا صحیح اھ

کہ ہمارے (لا یصح) اور (موضوع) کہنے میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ موضوع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ راوی کا جھوٹ اور وضع ثابت ہوگیا ہے اور لا یصح میں صرف عدم ثبوت کی خبر ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کا عدم ثابت مان لیا جائے یہی بات ان تمام حدیثوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے جن کے بارے میں ابن جوزی نے لا یصح یا اسی طرح کا کوئی اور حکم لگا دیا ہے۔ اھ۔ زرقانی کہتے ہیں کہ قسطلانی نے حافظ ابن رجب سے یہ نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے شب نصف شعبان کی فضیلت کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کے متعلق ابن دحیہ کا لم یصح کہنا غلط ہے مگر یہ کہ اس کے کلام میں اصطلاحی صحت کی نفی مراد لی جائے کیونکہ معاذ کی یہ حدیث اصطلاحی طور پر یقیناً صحیح نہیں ہے گو حسن ہو۔

(حاشیہ صفحہ ھذا) [1] کتاب الفصل ج ۳ ص ۱۳۸ ۔ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال حدیث کا معاملہ ماوشما کے تابع نہیں ہے۔ حدیث کے اسانید اب بھی موجود ہیں۔ ان مبہم اور مجمل کلمات کو چھوڑ کر اس کے رجال پر تفصیلاً نظر کر لینا چاہئے اس کے بعد بھی اگر رجحان ابنِ حزم اور علامہ مجدالدین کے ساتھ رہتا ہے تو امر دیگر ہے[1]۔ پھر یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حافظ ابنِ حزم اپنی وسعتِ نظر کے باوجود خود امام ترمذی اور ان کی کتاب الجامع سے ناواقف ہیں اس لئے ان کا لایصح کہنا اور بھی بے اثر ہو جاتا ہے۔

حدیث کی صحت پر معنوی قرائن

حنفیۃ اور یہودیت و نصرانیت کا تقابل | قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی دنیا میں دینِ حنیف کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۲؎ اس کی وجہ حافظ ابنِ حزم نے اپنی تصنیف مداواۃ النفوس میں خود تحریر فرمائی ہے

ولقد اصابتنی علۃ شدیدۃ ولدت علی ربوا فی الطحال شدیدا فولد ذلک علی من الضجر وضیق الخلق وقلۃ الصبر والنزق امرا حاسبت نفسی فیہ فانکرت تبدل خلقی واشتد عجبی من مفارقتی لطبعی۔

میں ایک شدید بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے میری تلی بہت بڑھ گئی تھی اس لئے میرے مزاج تنگی تیزی و بداخلاقی جلد بازی پیدا ہو گئی ہے جب میں اپنی پہلی زندگی پر غور کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میرے عادات و اخلاق کس قدر تبدیل ہو گئے ہیں اور میں اپنی اصلی طبیعت سے کتنا دور ہو گیا ہوں۔

(توجیہ النظر ص ۳۱ تحت استدراک فی الفائدۃ السابعہ)

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱؎ حافظ ابنِ کثیر لکھتے ہیں کہ ابنِ حزم اپنی جلالتِ قدر کے باوجود امام ترمذی جیسے شخص سے بالکل ناآشنا ہیں حتی کہ جب ان کے سامنے امام ترمذیؒ کا تذکرہ ہوا تو تعجب سے فرمایا "ومن محمد بن عیسی بن سورۃ؟" یہ محمد بن عیسیٰ کون شخص ہیں (دیکھو الباعث الحثیث الی معرفت علوم الحدیث)۔

حافظ ابنِ حجر امام ترمذی کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ واما ابو محمد بن حزم فانہ نادی علی نفسہ بعدم الاطلاع فقال فی کتاب الفرائض من الایصال محمد بن عیسی بن سورۃ مجہول۔ ابن حزم کو اس بات کا خود اقرار ہے کہ وہ محمد بن عیسیٰ (ترمذی) سے واقف نہیں ہیں چنانچہ ان کو مجہول لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ ترمذی کے بارے میں ابنِ حزم کا قول کہ وہ مجہول شخص ہیں کچھ قابلِ التفات نہیں ہے کیونکہ ان کو نہ امام ترمذی کی کتاب جامع سے واقفیت ہے اور نہ ان کی کتاب العلل کا علم ہے (میزان الاعتدال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حریف صرف دو مذہب ہیں یہودیۃ اور نصرانیۃ عہدِ نبوۃ میں بھی حریفانہ جنگ ان ہی دو کے درمیان نظر آتی ہے اور احادیث صحیح بھی ان ہی دو کے درمیان مستقبل میں کشمکش کا پتہ دیتی ہیں آیاتِ ذیل کو بغور پڑھئے اور اس جذبہ کا اندازہ کر لیجئے۔

قَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصَارٰى	کہتے ہیں کہ یہودی بن جاؤ یا نصرانی بن جاتو راہ پا
تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	ہوگے آپ ان سے کہدیجئے بلکہ میں حضرت ابراہیمؑ
حَنِيْفًا۔	کی ملت کا متبع ہوں جو ایک طرف ہو جانیوالا تھا۔
مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا	حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ
وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا۔	ایک طرف ہو کر خدا کے فرمانبردار بنے تھے۔

غیر المغضوب علیہم میں اتباع یہود و نصاریٰ کی طرف ایک لطیف اشارہ

غالباً اسی لئے قرآنِ کریم نے صراطِ مستقیم کی تفسیر کرتے ہوئے اثباتی پہلو میں منعم علیہم کا اور سلبی پہلو میں مغضوب علیہم اور ضالین ہی کا ذکر کیا ہے اور اس اہتمام سے کیا ہے گویا جب تک یہ سلبی پہلو ذکر نہ کیا جائے اس وقت تک صرف صراط الذین انعمت علیہم اس کے پورے مفہوم کو ادا ہی نہیں کرتا پھر یہود و نصاریٰ کے راستے سے پنجوقتہ علیحدگی کی دعا تعلیم کرنے میں اس طرف بڑا اشارہ ہے کہ ملتِ حنیفہ کے متعلق شاید سب سے زیادہ خطرہ اگر ہے تو ان مغضوب علیہم اور ضالین کی اتباع کا ہے جس کا دوسرا نام یہودیۃ و نصرانیۃ ہے۔

مشرکین اور یہود کے تعلقات

کتب سیرت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیۃ و نصرانیۃ بھی گو آسمانی دین تھے مگر مشرکین کے ساتھ ان کے برادرانہ تعلقات قائم تھے جونہی اسلام نے دنیا میں قدم رکھا سب سے پہلے مشرکین کے ساتھ اس کے مدمقابل یہی یہودی و نصرانی تھے حالانکہ دینِ سماوی میں اشتراک کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو دینِ حنیفی کے ساتھ پوری ہمدردی ہوتی اور بجائے مشرکین کے ان کا رخ اسلام کی طرف ہو جاتا لیکن جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا رہا اسی قدر یہودیۃ و نصرانیۃ بڑھ بڑھ کر اسی کے مقابلہ پر آتی رہی یہاں تک کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو مشرکین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب نے اسلام کے سامنے سپر ڈالدی، شریعت مطہرہ کو اتنا اطمینان میسر ہوا کہ صاف لفظوں میں اعلان کردیا گیا۔

ان الشیطان قد أیس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب۔ — شیطان اب اس بات سے ناامید ہوچکا ہے کہ نمازی مسلمان پھر کبھی جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔

پیغمبر اسلام کا یہود و نصاری کی طرف سے خطرہ کا آخری الارم

لیکن اس کے بالمقابل یہودیۃ و نصرانیۃ کا علم جنگ برابر لہراتا رہا اور کسی وقت بھی اسلام کو ان کی وسیسہ کاریوں سے اطمینان میسر نہ ہوا حتی کہ صاحب شریعت کے آخری لمحات حیات کی وصیتوں میں ایک مہتم بالشان وصیت یہ تھی

اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب — یہود و نصاری کو جزیرۂ عرب کے چپے چپے سے باہر نکال دینا۔

اسی حریفانہ کشمکش کا نتیجہ تھا کہ جب حنفیۃ کا زمین پر اقتدار ہوا تو یہودیۃ و نصرانیۃ دونوں مغلوب ہوگئے اور جب کبھی یہودیۃ و نصرانیۃ کا غلبہ ہوا تو وہ حنفیۃ کو کبھی گوارا نہ کرسکے۔

یہود و نصاری سے جزیہ قبول کرنے کی وجہ

اس سلسلہ میں یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہودیۃ و نصرانیۃ کے مسخ ہوجانے کے باوجود اسلام نے محض دین سماوی ہونے کے باعث ان کی بڑی رعایت کی ہے۔

موافقت اہل کتاب کی عام سنت فتح مکہ تک تھی

چنانچہ اسلام فتح مکہ سے قبل تک جن امور میں جدید ہدایات نازل نہ ہوئیں بہ نسبت کفار کے ان کی موافقت کو ترجیح دیتا رہا لیکن جب اس سلوک کے بعد بھی ان کا دل نہ پسیجا تو یہ ثابت ہوگیا کہ اب ان کے سینہ پر کینہ سے اسلام کی عداوت نکلنے والی نہیں ہے اس لئے مخالفت کا حکم دیدیا گیا اور آئندہ ان تمام مواقع پر جہاں جہاں سے حنفیۃ کو یہودیۃ و نصرانیۃ سے خطرہ ہوسکتا تھا امت کو خبردار کردیا گیا۔

مشترکہ حدود کی نگرانی میں اسلام کی خیر مضمر ہے

روزہ، نماز، شکل و شباہت، دعا و سلام میں غرض جہاں بھی اسلامی حدود ان سے ملتے نظر آتے تھے۔ ملت حنفیہ کے حلقہ بگوشوں کو تنبیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردی گئی کہ اپنے حدود کی نگرانی رکھیں اور ان سے ملنے نہ دیں۔ اس کے باوجود صاحبِ نبوۃ کی دور بین نظروں نے تاڑ لیا تھا کہ اس حریف کا ایک دن پھر غلبہ ہوگا اور پیروانِ ملتِ حنیفی اس کے پیچھے پیچھے چلتے نظر آئیں گے۔ اسی عہدِ نامسعود کا نقشہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں کھینچا گیا ہے۔

اس امت میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کی پیشگوئی

قال لتتبعن سنن الذین من قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع حتی لو دخلوا فی جحر ضب لا تبعتموہ قلنا یا رسول اللہ الیھود والنصاریٰ قال فمن۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ضرور گزشتہ لوگوں کے قدم بقدم چل کر رہو گے حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو تم بھی داخل ہوگے ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا لوگوں سے آپ کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں آپ نے فرمایا کہ اور کون۔

دوسرے الفاظ میں اس مجنونانہ اتباع کی غایت یہاں تک بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی نے ان میں اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو تم میں بھی ایسے افراد ہوں گے جو یہ روسیاہی کرکے رہیں گے۔

بعض نومسلموں کی مشرکین کی نقالی کی تمنا اور آپ کی سرزنش

چنانچہ اس ہولناک مستقبل کا خفیف سا عکس اسلام کے ابتدائی عہد میں بھی نظر آگیا ہے۔

"ابو واقد لیثی فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ خیبر کی سمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اس وقت ہم نومسلم تھے وہاں مشرکین نے ایک درخت اپنے ہتھیار لٹکانے کے لئے مقرر کر رکھا تھا ہم نے اسے دیکھ کر کہا یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی درخت ہتھیار لٹکانے کے لئے مقرر کر دیجئے آپ نے تعجباً تکبیر کہی اور فرمایا یہ تو وہی بات ہوئی جیسا بنی اسرائیل نے (سمندر عبور کرنے کے بعد کچھ بت پرستوں کو پوجا کرتے دیکھ کر کہدیا تھا) اے موسیٰ جیسا خدا ان کا ہے ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی خدا بنا دیجئے۔ تم ضرور یہود و نصاریٰ کی نقالی کرکے رہوگے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لوگ نومسلم تھے مگر نگاہِ نبوت نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کی نقالی کے جذبات ان میں ایسے سرایت کئے ہوئے ہیں کہ اگر زمانۂ شباب میں اپنا اثر نہ دکھائیں تو نہ دکھائیں لیکن ضعف کے حال میں اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہیں گے۔ یہ تو آپ نے اہلِ اسلام کے عہدِ طفولیت کے جذبات دیکھے آیئے اب عہدِ شباب کے جذبات ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت مقداد ابن الاسود جنگِ بدر کی تیاری کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کہتے ہیں یا رسول اللہ ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ کہدیں۔ اے موسیٰ جا تو اور تیرا رب لڑ آ۔ ہم تو آپ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے رہ کر آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ (بخاری شریف)

ان دونوں جذبات کا موازنہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ وہی بات یعنی حرصِ اتباع جو پہلے غیر اختیاری طور پر منہ سے نکل رہی تھی اب انتہائی قابلِ نفرت و عار بن گئی ہے مگر نقطۂ تجاذب دونوں جگہ وہی بنی اسرائیل ہیں۔ عہد طفولیت اور شیخوخت کا دور چونکہ بلحاظ جذبات و خواہشات تقریباً یکساں ہو جاتا ہے اس لئے اسلامی دورِ انحطاط میں پھر وہی اتباعِ بنی اسرائیل کا جذبہ لوٹ آئیگا اور زمانۂ شباب میں بنی اسرائیل کی جو مشابہت انتہائی قابلِ نفرت و حقارت معلوم ہوتی تھی پھر لائقِ رغبت بن جائے گی۔ امت محمدیہ کے اسی رجعتِ قہقریہ کو صحیح بخاری کی حدیث بالا میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہی بات جو آپ کے زمانہ میں قابلِ تعجب تھی آئندہ دور میں ناگزیر طور پر ہونے والی بات ہو گی۔ حتیٰ کہ اگر یہود و نصاریٰ میں کسی نے ماں سے زنا کیا ہو گا تو اس بے حیائی میں بھی یہ امت ان کی اتباع کر کے رہے گی۔

امتِ محمدیہ شغفِ اتباع ہی کی بدولت صفتِ افتراق میں بھی اتباع کریگی

اس شغفِ اتباع سے یہ مترشح ہو رہا ہے کہ یہ امت جب ہر معقول اور نامعقول بات میں ان کے نقشِ قدم پہ چلے گی تو یقیناً ضلالت اور گمراہی کی وہ سب راہیں جو یہود و نصاریٰ نے اختیار کی تھیں یہ بھی اختیار کرے گی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جتنے فرقِ ضالہ ان میں نمودار ہوئے تھے اس میں بھی نمودار ہوں گے اور افسوس یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ بلند تر جب گرتا ہے تو یہاں بھی فروتر رہتا ہے اسی لئے امتِ محمدیہ جب دورِ عروج وکمال میں بلند تر تھی تو اسے اپنے دورِ انحطاط میں بھی فروتر رہنا چاہئے اور اسی لئے وصفِ افتراق میں یہود ونصاریٰ سے آگے نظر آئے گی۔ آخر جو مسندِ اعلیٰ علیین پر جلوہ نما تھا جب ایمان اور عملِ صالح سے محروم ہوا تو اس کا ٹھکانا قعرِ اسفل السافلین ہی نظر آیا۔

شدتِ اتباع اور حدیثِ افتراق کا تناسب غالباً اسی عمیق تناسب کی وجہ سے صحیح بخاری کی اس حدیث کو جامع ترمذی میں حدیثِ افتراق کے لئے بطور مقدمہ اداء کیا گیا ہے یا یوں سمجھئے کہ اس شدید افتراق کو اس مبالغہ آمیز اتباع کا ثمرہ اور نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو باتیں بنی اسرائیل میں ہوئیں وہ ٹھیک ٹھیک سب میری امت میں ہوں گی حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے بے محابا اپنی ماں سے زنار کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو اس بیحیائی کا ارتکاب کرے گا، اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹے تھے۔ (آخر حدیث تک)

اس سیاق کو پڑھئے اور بغور پڑھئے اور اس عمیق ربط کی تہ تک پہنچ جائیے جو اس شدید اتباع اور شدید اختلاف کے مابین مستور ہے اگر آپ اس ربط کو پالیں تو یقیناً آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ حدیثِ افتراق درحقیقت صحیح بخاری کی حدیثِ اتباع کا ایک تتمہ تھا جو وہاں رہ گیا ہے اور یہاں مذکور ہے۔ بہرحال اگر ہمارے پاس صرف صحیح بخاری ہی کی یہی ایک حدیث ہوتی تو افتراقِ امت کی اجمالی داستان پڑھنے کے لئے وہی کافی تھی۔ آئندہ اوراق میں اس پر آیاتِ قرآنیہ کے کچھ اشارات بھی آپ کے ملاحظہ سے گذریں گے لیکن اس سے قبل ہم مفہومِ اختلاف کو ذرا واضح کر دینا چاہتے ہیں۔

لفظِ اختلاف کی توضیح

ہر یکساں حالت کے بعد جب اس کے خلاف کوئی دوسری حالت رونما ہوتی ہے تو اس کا نام ہم اختلاف رکھتے ہیں اس لحاظ سے اگر اس عالم پر عرش سے لیکر فرش تک نظر ڈالیں تو سارا عالم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی اختلاف کی آماجگاہ نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس عالم کی کوئی زیادہ سے زیادہ صحیح تعریف ہو سکتی ہے تو بس یہی ایک لفظ اختلاف ہے۔

اختلاف زمان لیل ونہار، شہور وسنین، پھر اس میں فصول ومواسم کا ایک اختلاف ہے جسے اختلافِ زمان کہنا مناسب ہے اس اختلاف کو آیۂ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

ولہ اختلاف اللیل والنہار — شب وروز کا یہ اختلاف اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہے

اختلاف السنہ والوان اس سے آگے بڑھئے تو حیوانات ونباتات وجمادات کا اختلاف پھر ان میں اجناس اور اجناس میں انواع اور انواع میں اصناف اور اصناف میں افراد کا اختلاف ہے پھر ان افراد میں طبیعتوں، مزاجوں، رنگوں اور زبانوں کا اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اختلاف السنتکم والوانکم — تمہاری زبان اور رنگوں کا اختلاف

آفاق وانفس کا یہ اختلاف دیکھکر صاف طور پر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ افتراق واختلاف اس جہان کی فطرۃ ہے اور اسی پر اس کی آبادی کا مدار ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن — اے ذوق اس جہاں میں ہے زیب اختلاف سے

اختلاف ضلالت وہدایت لیکن اس وقت یہ اختلافات زیر بحث نہیں ہیں بلکہ اس سے بالاتر ضلالت وہدایت کا ایک اختلاف ہے وہی ہمارا مرکز بحث ہے۔ اس لحاظ سے اگر مجموعۂ عالم پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ امم سابقہ ایک طرف ہیں اور امتِ محمدیہ دوسری طرف اسی کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ — تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنانے والے اور

وَمُنْذِرِيْنَ .... ڈرانیوالے پیغمبر بھیجے۔

فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا — تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے مومنین کو اُن باتوں میں

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ۔ — ہدایت نصیب فرمادی جس میں کہ پیشتر امتوں نے ناحق اختلاف کیا تھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امتحانی سوالات میں امتِ محمدؐ کی کامیابی کے مقامات مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت میں اختلاف ہوا کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی، خدائے قدوس نے امتِ محمدیہ کو ہدایت نصیب فرمائی کہ یہ دونوں خیال غلط ہیں وہ دراصل حنیف تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں اختلاف ہوا، یہود نے ان کا انکار کیا اور نصاریٰ نے خدا ٹھیرایا، یہاں امتِ محمدیہ کو ہدایت نصیب ہوئی اور جادۂ مستقیم ان ہی کے لئے مقدر ہوا۔ قبلہ کے بارے میں بھی ایک رائے یہی ہے کہ وہ امتوں کے انتخاب پر رکھا گیا تھا مگر انھوں نے یہاں بھی صحیح انتخاب نہ کیا اور جو اصل قبلہ تھا اس کی ہدایت اسی امت کو نصیب ہوئی۔

جمعہ کا دن بھی اسی اختلاف کی ایک کڑی ہے پہلی امتوں نے یوم التعطیل میں غلطی کی کسی نے یوم السبت اور کسی نے یوم الاحد مقرر کیا، امتِ محمدیہ کو یہاں بھی راہِ ہدایت نصیب ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ اسی اختلاف کی طرف آیتہ ذیل میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

ولو شاء ربک لجعل الناس	اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی
امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین	راستہ پر ڈال دیتا لیکن وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے
الا من رحم ربك ولذلك	بجز ان کے جن پر آپ کا پروردگار رحم فرمائے اور
خلقھم۔ (ھود)	اسی اختلاف کے لئے انھیں پیدا کیا ہے۔

اختلافِ امم عطار اور مفسرین کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہاں مختلفین سے یہودیۃ و نصرانیۃ مجوسیۃ و حنفیۃ کا اختلاف مراد ہے اور الا من رحم ربک سے مراد حنفاء ہیں۔ شاید اس لئے بھی اس امت کو امت مرحومہ کا خطاب دیا گیا ہو۔

اختلاف امتِ محمدیہ لیکن اس اختلاف کے علاوہ ایک اور اختلاف ہے جو خود اس امتِ محمدیہ میں مقدر ہے وہ جماعت اہلِ حق اور باطل فرقوں کا اختلاف ہے اس بنا پر فرقِ باطلہ مختلفین کا مصداق رہیں گے اور اہلِ حق الا من رحم ربک کا۔

اختلاف اہلِ حق اس سے بھی آگے خود جماعت اہلِ حق کا اختلاف ہے جس پر ہم آئندہ بحث کریں گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختلاف کا تکوینی راز پہلے آیت کی مراد سنئے۔ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ نقاشِ عالم کو اپنے ہی صفتِ جلال وجمال کی جلوہ نمائی منظور تھی اس لئے اس نے انسانوں کو ایسے ہی قوی فکریہ وعملیہ سے مرکب فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اسبابِ سعادت وشقاوت میں اختلاف کرتے ہی نظر آئیں گے اور اسی باہمی کشمکش میں خدائی قہر ومہر کا سامان مہیا ہوتا رہے گا۔ اگر اس دنیا میں یہ اختلاف رونما نہ ہوتا تو یہ محشرستان، عالمِ خموشاں بن جاتا اور یہاں کے بسنے والے یا صرف خدائی مہر کے مظہر ہوتے یا صرف قہر کے لیکن عالمِ تقدیر کو ایک ناتمام کمال کا مظاہرہ ناپسند تھا اس لئے اس نے اختلاف اس کی بنیاد میں ڈال دیا اور اب ضروری ہوگیا کہ دنیا جس قدر پھیلتی جائے اختلاف کا دامن بھی اسی قدر وسیع ہوتا چلا جائے حتیٰ کہ یہود اگر ۷۱ فرقوں میں بٹے ہوں تو نصاریٰ ۷۲ فرقوں میں بٹیں اور امتِ محمدیہ جو آخری اور سب سے بڑی امت ہے، وہ تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے۔

سورۂ ہود کی اس آیت میں مختلفین کو "الا من رحم ربک" کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عالمِ تکوین نے تکوینی طور پر تمام انسانوں کو دو قسموں میں بانٹ دیا ہے (۱) اہلِ اختلاف (۲) مرحومین

اختلاف کرنا رحمت سے محرومی کی علامت ہے اس تقابل سے مفہوم ہوتا ہے کہ جو اہلِ اختلاف ہیں وہ رحمت کے تحت نہیں ہیں اور جو رحمت کے نیچے آچکے ہیں وہ قرآن کی نظر میں اہلِ اختلاف کی فہرست میں داخل نہیں اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نجات صرف اس جماعت کے لئے ہے جو "الا من رحم ربک" کی مصداق ہے اور بقیہ اہلِ اختلاف کے لئے نجات نہیں۔ سورۂ انعام میں اس اختلاف کی مزید تشریح ملتی ہے۔

وانّ ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ	میرا سیدھا راستہ یہ ہے اسی پر چلو اور دوسرے
ولا تتبعوا السبل فتفرّق بکم	راستوں پر مت چلو کہ وہ تم کو خدا کے راستہ
عن سبیلہ۔ (انعام)	سے جدا کرکے تتر بتر کردیں گے

راہِ حق ایک ہے اور ناحق بہت آیتِ بالا میں صراطِ مستقیم کے لئے لفظ مفرد اور بقیہ اہلِ اختلاف کے لئے "السبل" لفظِ جمع اختیار کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ راہِ مستقیم ایک ہی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ضلالت و گمراہی کے راستے بہت ہیں۔

صراطِ مستقیم اور سبلِ متفرقہ کا نقشہ

مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ اس معنوی افتراق و تشتت کو محسوس طور پر سمجھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دائیں بائیں اور بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا دیکھو یہ سیدھا خط تو صراطِ مستقیم ہے اور اس کے دائیں بائیں جو خطوط ہیں وہ سُبُل اور ناپسندیدہ راہیں ہیں جن کی طرف شیاطین دعوت دیتے ہیں اس کے بعد آیتِ مذکورہ تلاوت فرمائی۔

قرآنِ کریم میں حدیث افتراق کی طرف اشارہ ہے

اب اگر سورۂ ہود اور سورۂ انعام کی ان ہردو آیات کے نتائج کو ملاؤ تو حدیثِ افتراقِ امت کا پورا پورا مفہوم سامنے آجاتا ہے صرف فِرَقِ باطلہ کی تحدید اور عدم تحدید کا فرق باقی رہتا ہے اور اگر دونوں آیتوں کے نتائج کا تجزیہ کرو تو حسب ذیل ہوگا۔

آیتِ انعام۔ (۱) صراطِ مستقیم صرف ایک ہے (۲) سبلِ متفرقہ بہت ہیں۔

سورۂ ہود۔ (۳) نجات صرف ایک جماعت کے لئے ہے (۴) اہلِ اختلاف کیلئے نجات نہیں۔

یہی چاروں امور حدیثِ افتراق کا مفہوم ہیں اور بس۔ ضلالت وہدایت کے اس اختلاف کو سورۂ بقرہ میں بھی حسب ذیل پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

کان الناس امۃ واحدۃ	سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر انھوں نے
فبعث اللہ النبیین مبشرین	دین میں اختلاف ڈالا) تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری
ومنذرین وانزل معھم الکتاب	سنانیوالے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے
بالحق لیحکم بین الناس فیما	ساتھ سچی کتاب اتاری تاکہ جن باتوں میں انھوں نے
اختلفوا فیہ۔	اختلاف ڈالا تھا فیصلہ کرے۔

رسول دنیا میں ناروا اختلافات کو مٹانے کے لئے آتے ہیں

یعنی خدائے قدوس نے تو رسولوں کو اس لئے بھیجا تھا کہ ناروا اختلاف ختم کر دیا جاتا اور یک جہتی کے ساتھ اس قانون پر عمل کیا جاتا جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"الکتاب" کے نام سے اتارا گیا تھا مگر افسوس کہ ناعاقبت اندیشوں نے اس سامانِ اتحاد کو بھی سامانِ اختلاف بنا لیا اور اس طرح بعثتِ انبیاء اور تنزیلِ صحف کا جو اصل منشا تھا اسی کو برباد کر ڈالا۔ اس کے مخفی راز کو سورۂ ہود کی آیت" ولذلک خلقھم میں سمجھایا گیا تھا جس کی طرف ہم مضمون کے شروع میں اشارہ کر چکے ہیں۔

قرآن کریم سے لفظِ اختلاف کی توضیح اب اس اختلاف کی حقیقت کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے آیاتِ ذیل پر غور کیجئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (انعام) — جنھوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور بہت سی پارٹیاں بن گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں،

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ (الروم) — اور ان لوگوں میں سے مت بنو جنھوں نے اپنے دین میں پھوٹ ڈالدی اور پارٹیاں بن گئے ہر پارٹی اپنے اپنے خیال میں مست ہے۔

اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (انعام) — خدائے تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اگر چاہے تو تمہاری پارٹیاں بنا دے اور تم کو آپس میں بھڑا دے۔

عذابِ افتراق عذابِ استیصال کا بدل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تھی کہ آپ کی امت پہلی امتوں کی طرح ہلاک نہ ہو، وہ دعا مستجاب ہوئی اور "عذابِ استیصال" ہمیشہ کے لئے اٹھا لیا گیا مگر آپس کے افتراق و تشتت کا مقدر عذاب پھر بھی باقی رہا۔ حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ پارٹیوں سے اہلِ اہواء کا اختلاف مراد ہے اور آپس میں بھڑانے کا مصداق یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہکر جنگ شروع کردے جیسا کہ خوارج نے حضرت علیؓ کے ساتھ کیا تھا۔ (الاعتصام ص ۳۹ ج ۱)

افتراقِ مذموم کی حدود ان ہر سہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں جو افتراق مذموم ہے وہ یہ ہے کہ ملت کی ہیئت اجتماعیہ پارہ پارہ ہو جائے، محبت و مودت، تعاون و تناصر، ہمدردی و سازگاری کے سارے رشتے ٹوٹ جائیں اور جماعتی شیرازہ اوراقِ پریشاں کی طرح منتشر ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین میں پارٹی بندی برداشت نہیں

یہ اختلاف، یہ پارٹی بندی دین میں ایک لمحہ کے لئے قابلِ برداشت نہیں اسی لئے فرمایا "لست منھم فی شئ" ایسی مفسد جماعت سے آپ کا کوئی علاقہ نہیں ہوسکتا گویا یہ مکمل بائیکاٹ کا اعلان ہے۔

اب سوال صرف یہ رہتا ہے کہ وہ کونسا اختلاف ہے جو کہ قوم کی طرح پھٹ کر ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کردیتا ہے۔ دورِ صحابہ میں بھی مذہبی اختلافات نظر آتے ہیں اور خلافتِ راشدہ ہی کے زمانہ میں فرقہ بندیوں کے نشانات کا پتہ چلتا ہے پھر کیا یہ مقدس قرن بھی اس اختلاف کا مصداق ٹھیرایا جاسکتا ہے اس شبہ کا جواب ہمیں خود قرآنِ کریم سے ہی دینا ہے لیکن بطور مقدمہ پہلے یہ سن لیجئے کہ اختلاف ائتلاف کی ضد ہے جس کے معنی باہمی الفت و محبت کے ہیں اگر ائتلاف کے ساتھ اختلاف ہے تو درحقیقت یہ اختلاف ہی نہیں۔

اختلافِ دین وملت

حقیقی اختلاف دلوں کا اختلاف ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ (۱) دین وملت کا اختلاف ظاہر ہے کہ قدرت نے بنی نوعِ انسان کے لئے ایک ہی دین اتارا تھا نوعِ انسانی پر واجب تھا کہ وہ یک جہتی کے ساتھ یک زبان ہوکر مضبوطی سے اس کو اختیار کرتی لیکن وہ باز نہ آئی اور طرح طرح کی بہانہ بازیوں اور حیلہ سازیوں سے اس کے قبول کرنے میں پس و پیش شروع کیا۔ اس اختلاف کی وجہ سے ہمیشہ وحدت کی دعوت پر پارٹیاں اور اجتماع کی آواز پر افتراق و تشتت پیدا ہوتا رہا۔ ان پارٹیوں میں ہمیشہ آتشِ بغض وعناد بھڑکتی رہی حتیٰ کہ ایک ملک ایک شہر، ایک خطہ، ایک قبیلہ وخاندان کے ہوکر ایسے جدا ہوئے کہ کسی وصف میں گویا ایک دوسرے کے شریک ہی نہ تھے۔ یہاں تک کہ معاشرت و تمدن کا کوئی گوشہ نہ رہا جس میں یکجہتی کی کوئی جھلک نظر آتی۔ شکل وشباہت بدلی، نشست وبرخاست کے طریقے بدلے، طعام ولباس کے طریقے جدا جدا ہوگئے۔ جب ایک جماعت دوسرے کے ساتھ یہ اختلاف پیدا کرلیتی ہے تو اصطلاح میں ایسی دو مختلف پارٹیوں میں ایک کو مسلم اور دوسرے کو کافر کا لقب دیا جاتا ہے اور اب یہ اختلاف فطرۃِ انسانی کے لئے ایسا تباہ کن اختلاف ہوجاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اگر قدرت اپنے غیبی ہاتھ سے اس بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا نہ کرتی رہے تو عالم فنا ہو جائے عجیب بات ہے کہ اس عالم اختلاف کی بقاء کا سبب بھی یہی اختلاف ہے اور اس کے فنا کا سبب بھی یہی، بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے — اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

اس کا نام اختلافِ ملت اور اختلافِ دین ہے۔

ایک ملت میں اصول و کلیات کا اختلاف

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ ایک ملت ایک دین سے وابستہ ہو کر پھر اس میں اندرونی اختلاف پیدا ہو جائے اب اگر یہ اختلاف صرف جزئیات کی حد تک ہے تب بھی یہ کوئی قابلِ ذکر اختلاف نہیں نہ اس اختلاف سے قلوب میں ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تنافر پیدا ہوتا ہے نہ الفت و محبت کے رشتوں پر اثر پڑتا ہے۔ ہاں اگر یہ جزئی اختلافات بھی اس کثرت سے پیدا ہو جائیں کہ اصول و کلیات کی جگہ لے لیں تو ظاہر ہے اس کا حکم دوسرا ہوگا۔

اختلافِ اصول موجبِ افتراق ہے

اور اگر دین میں اشتراک کے بعد اس کے بعض اصول و کلیات میں اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف البتہ اختلاف ملت و دین کی طرح افتراقِ قلوب کا موجب بن جاتا ہے۔ دیکھو معتزلہ، خوارج، مرجئہ، اہل سنت، سب ایک ہی ملت اور ایک ہی دین سے وابستہ ہیں مگر بعض اصول و کلیات میں اختلاف کی وجہ سے اس طرح گروہ اندر گروہ ہو گئے ہیں کہ جو عداوت و بغض اختلافِ ملت کا ثمرہ تھا وہی ان اختلافات کا نتیجہ بن گیا۔

فروعی اختلاف اختلاف نہیں

اب ہم قرآن سے ہی یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کی نظر میں اصول و کلیات کے اتحاد کے بعد فروع کا اختلاف کوئی اختلاف نہیں۔

شرع لکم من الدین ما وصی بہ	اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین میں ان ہی
نوحا والذی اوحینا الیک	باتوں کی راہ ڈالی ہے جن کا حضرت نوحؑ کو حکم
وما وصینا بہ ابراھیم وموسی	دیا تھا اور جو حکم کہ ہم نے آپ پر بھیجا اور حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (الشوریٰ)

موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا یعنی یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔

ادیانِ سماویہ میں اختلاف نہیں

ظاہر ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا ہوا اختلاف رہا۔ مگر پھر بھی قرآن کریم نے اس کو ایک ہی دین قرار دیا ہے اور شرائع کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدت دین کے منافی نہیں سمجھا، اگر فروعی اختلاف بھی افتراق واختلاف کی حد میں آسکتے تو اس افتراق کے ہوتے ہوئے پھر "ولا تتفرقوا فیہ" (دین میں افتراق مت پھیلاؤ) کا خطاب کیونکر درست ہوتا۔ پس جس طرح شرائع سماویہ اور صحفِ انبیاء علیہم السلام فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی دین کہلائے ایک کا مصدق دوسرے کا مصدق رہا، ان کے ماننے والے سب ایک ہی رشتۂ اتحاد واخوۃ میں منسلک رہے۔ تحزب وتعصب اور بغض وعناد کی کوئی شان ان میں پیدا نہیں ہوئی اور اسی لئے وہ "کانوا شیعا" کی حد میں نہیں آئے۔ اسی طرح ایک دین حنیف کے اندر فروعی اختلافات اس کی شانِ اجتماع ووحدت میں خلل انداز نہیں ہوتے۔

اجتہاد بھی دین کا ایک اصول ہے

اجتہاد کے موقع میں اجتہاد کرنا بھی دین کی ایک سمجھائی ہوئی بات ہے اور اسی کا قائم کردہ اصول ہے اُسے دین میں اختلاف کیونکر کہا جا سکتا ہے اختلاف یہ ہے کہ اس کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تصریح کردہ جزئی کا خلاف کیا جائے لیکن جہاں اس نے سکوت کیا ہے اور یہ سکوت قصداً کیا گیا ہے وہاں ہر مجتہد کو اس کی اجازت دیدی ہے کہ وہ پوری جدوجہد اور ملکۂ استنباط واجتہاد کی پوری صلاحیتوں کے ساتھ مآخذ دین سے اس کا حکم معلوم کرے۔

صحابۂ کرام کا اختلاف

اب آیئے صحابہؓ[1] کے اختلافات کو دیکھیں۔ حدوث وقدم صفات کی عین وغیر، اور جبر وقدر کے باریک ودقیق مسائل میں قدم رکھنا تو اُن کا اصول ہی نہ تھا اس لئے

---

[1] دیکھو اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان چیزوں میں اختلاف کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا وہاں اگر سوال تھا تو صرف امتثال واطاعت فرمانبرداری اور وفاشعاری کے طریقوں میں تھا اس بنا پر اگر اختلاف تھا تو یہی کہ فلاں چیز سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ تیمم وضو کا قائم مقام کب ہو سکتا ہے۔ کوئی آمین زور سے کہنا پسند کرتا تھا کوئی آہستہ سے۔ کوئی رکوع کو جاتے اور آتے ہاتھ اٹھا لیتا تھا کوئی نہ اٹھاتا تھا۔ پھر یہ اختلافی رنگ بھی اس قدر پھیکا تھا کہ ان اختلاف کے ساتھ ساتھ وہ ایک ہی مسجد میں نمازیں ادا کر لیتے بلکہ خوشی خوشی ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا بھی کر لیا کرتے تھے خصومت وجدل تو درکنار موافقت ومخالفت کے تصور سے بھی ان کے دماغ خالی تھے اسی لئے اخوۃ اسلامی، نصح وخیر خواہی محبت و مودت کی اتنی سچی مثال تاریخ کبھی کسی دوسری جماعت میں نہیں دکھلا سکتی۔ اندریں حالات ان فروعی اختلافات کو ان کے یہاں کوئی اہمیت ہی نہیں دی جا سکتی۔ ہاں خلافت کے دور ثالث و رابع میں جو کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں ان میں تعصب وتحزب کا وجود ناقابل انکار حقیقت ہے مگر الفاظِ قرآنی پر غور کیا جائے تو اس کا جواب بھی ان ہی آیات میں موجود ہے۔ سورۂ انعام اور سورۂ روم کی مذکورہ بالا آیات کو ایک بار پھر پڑھیے آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن یہاں جس فرقہ بندی کی ممانعت کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ ایک دین میں اختلاف برپا کر کے اس کو مختلف دینوں کی طرح بنا دیا جائے یہ اختلاف اس کے اصول وکلیات میں اختلاف ہی کے بعد ہو سکتا ہے آیت ذیل کو بغور ملاحظہ کیجئے

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ	جنھوں نے اپنے دین میں راہیں نکالیں اور
وَكَانُوْا شِيَعًا۔	بہت سی پارٹیاں بن گئے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہاں ان پارٹیوں کا ذکر ہے جن کی پارٹی بندی کی بنیاد عقائد واعمال کا اختلاف ہو، اسی اختلاف کو اختلاف فی الدین کہا جا سکتا ہے۔

صحابہ کا اختلاف آپس کا اختلاف تھا نہ کہ دین کا

اب اس معیار کے مطابق ان پارٹیوں کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عقائد واعمال کا ان کے درمیان کوئی ذکر ہی نہ تھا وہ ایک ہی عقیدے یکساں عمل اور ایک ہی دین کے حامل تھے اور اسی ایک متفقہ دین کی خاطر ہی ایک دوسرے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برسرِپیکار تھے ان میں اگر اختلاف تھا تو یہ تھا کہ اس متفقہ دین کا اس وقت علمبردار کون ہے پس جس فرقہ بندی کی ممانعت آیات مذکورہ بالا میں کی گئی ہے ان حضرات کا اختلاف اس سے بہت دور تھا۔

یہاں ان شکوک وشبہات کی جوابدہی مقصود نہیں ہے جو مدت دراز کے یکطرفہ تصور سے بعد دماغوں میں راسخ ہو چکے ہیں بلکہ صرف اس علمی حقیقت کو واشگاف کرنا ہے کہ کیا صحابہ کے دور کا اختلاف ہمارے زیرِبحث اختلاف کا مصداق بن سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک صحابۂ کرام کے مشاجرات ہرگز "اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ" کی حد میں نہیں آتے۔ ہاں اگر الفاظِ قرآنیہ کو خواہ مخواہ کے لئے وسعت دیکر ان مشاجرات کو داخل کرنا ہی منظور ہو تو امر دیگر ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اگر اجتہادی وفروعی اختلافات تھے تو اس بنیاد پر ان میں کوئی پارٹی بندی نہیں تھی، اور جب پارٹیاں نہیں تو ان کی بنیاد عقائد واعمال یعنی تفرق فی الدین نہ تھی۔ آگے چل کر ہم اس کو اور واضح کریں گے کہ قرآن وحدیث میں سیاسی گروہ بندیاں زیرِبحث نہیں۔

اب آپ کو اختیار ہے کہ اس اختلاف کو اختلاف ہی نہ کہئے یا اختلافِ مذموم سے جدا کر لیجئے۔ مجاہد پہلے مشرب کے معلوم ہوتے ہیں وہ "الا من رحم ربك" کی تفسیر میں فرماتے ہیں فان اهل الحق ليس فيهم اختلاف[۵۱]۔ اہلِ حق میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور حسن کا دوسرا مشرب معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں فان اهل رحمة الله لا يختلفون اختلافا يضرهم[۵۲] یعنی اہلِ رحمت ایسا اختلاف نہیں کرتے جو ان کو مضرت رساں ہو۔ کیونکہ یہ اختلاف ان ہی مسائل میں ہے جہاں کوئی نص نہیں ہے۔

دین میں اختلاف کے رفع کا اصول۔ ان مسائل میں شریعت نے خود اپنی جانب سے اختلافات دور کرنے کا حسب ذیل ضابطہ مقرر کر دیا ہے۔

فان تنازعتم فی شئ فردوہ — پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو لوٹا دو اسے خدا اور

---

[۵۱] الاعتصام ج ۱ ص ۳۹۔ [۵۲] ایضاً ج ۱ ص ۱۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الی اللہ والرسول اس کے رسول کو سپرد کردو

یہ زریں قانون اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ دینی اختلاف اختلاف نہ رہے بلکہ ردّ الی اللہ والرسول کی وجہ سے وہ حکم منصوص ہی کا رنگ اختیار کرلے ۔اور اس طرح اس اختلاف میں پھر ایک شانِ وحدت پیدا ہو جائے ۔

آیۃ فان تنازعتم کی نادر تفسیر

امام ابو اسحاق شاطبیؒ نے موافقات جلد رابع میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس طرح اصولِ شریعت میں کوئی اختلاف نہیں ہے اسی طرح اس کے فروع میں بھی کوئی اختلاف نہیں اور اس سلسلہ میں آیۃ" فان تنازعتم" کی تقریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رفع تنازع و اختلاف ہی کے لئے تو ردّ الی اللہ والرسول کا حکم ہوا ہے اب اگر کتاب وسنۃ میں بھی اصول وفروع میں اختلاف تسلیم کرلیا جائے تو اس رد کا فائدہ کیا ہوگا۔ اختلاف پھر اپنی جگہ بحال رہیگا۔ ایک اختلاف دوسرے اختلافی آئین سے ختم نہیں ہو سکتا بلکہ اس آئین سے ختم ہوسکتا ہے جس میں خود کوئی اختلاف نہ ہو۔ [1]

محقق دمیاطی محشی موافقات کو اس دعویٰ میں کچھ تردد ہے ہمارے نزدیک امام شاطبیؒ کا دعویٰ بالکل درست ہے اور اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اصول شریعت میں کوئی اختلاف نہیں

اس کا حاصل یہ ہے کہ مقصد شریعت نہ اصول میں مختلف ہے نہ فروع میں بلکہ اتحادِ اصول کے بعد فروع میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ فروع اصول کے ہمیشہ تابع رہتے ہیں۔ اس لئے جب اصول میں اختلاف نہیں تو فروع میں کیسے ممکن ہو لیکن آیت میں اس امر کا دعویٰ نہیں ہے کہ ردّ الی اللہ والرسول کے بعد ہر شخص کو وہ حکم قصدِ شارع کے مطابق حاصل بھی ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ بعض مرتبہ ایک جزئی میں اصول متفرقہ صادق آنے کی صلاحیت ہوتی ہے ہر مجتہد اپنے اپنے خیال کے موافق اُسے ایک اصل کے ماتحت داخل کرتا ہے اور اس اصل کے مطابق اس کا حکم اخذ کرلیتا ہے اس لئے اجتہاد و آراء کے اس تجاذب کی وجہ سے

---

[1] ج ۴ ص ۱۱۹ و اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۴۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروع میں اختلاف رونما ہوجاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ مختلف حکم خود شریعت کے بیان کردہ نہیں ہیں اس نے ایک ہی قانون بنایا ہے اور اس کے مطابق اس کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے حتیٰ کہ اگر عہدِ نبوۃ ہوتا اور آپ سے براہِ راست اس جزئی کے متعلق سوال کیا جاتا تو اس کا ایک ہی جواب ملتا، لیکن بعد میں جب راہِ صواب کا انتخاب صرف افہام پر موقوف رہ گیا تو اب اختلافِ افہام وعقول کی وجہ سے مجتہد فیہ جزئیات میں اختلاف ضروری ہوگیا یہ دوسری بات ہے کہ شریعتِ حنیفیہ نے قانونِ یُسر کے موافق یہاں خطأ وصواب دونوں صورتوں میں اجر کا وعدہ کرلیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ درحقیقت اس کے آئین میں اُس جزئی کے لئے دو حکم ایک دوسرے سے علیحدہ اور مختلف موجود تھے

مفہومِ اختلاف کی اس توضیح کے بعد مناسب ہے کہ اب اس کے اسباب پر بحث کی جائے۔

اسبابِ اختلاف وتفرق

یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ یہاں ہمارا مطلب اختلاف سے بعض اصول وکلیات کا اختلاف ہے اس لئے اسی کے اسباب پر ہمیں غور کرنا ہے۔ جہاں تک استقراء اور تلاش سے دریافت ہوسکتا ہے اس کے تین اسباب معلوم ہوتے ہیں۔ (۱) ناقص اور سطحی علم۔ (۲) اتباعِ ہویٰ وخواہشِ نفس (۳) اتباعِ رسوم وعادات — ان اسباب پر غور کرنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے اس دور پر غور کرنا ضروری ہے جہاں مذہب کی سطح پر اختلاف کا کوئی چھوٹا سا بلبلہ بھی تیرتا نظر نہیں آتا پھر وہ کیا اسباب ودواعی ہوئے کہ یہ سمندر دفعۃً متحرک ہوا اور ایسا متحرک ہوا کہ اس کی امواج معمورۂ عالم کو محیط ہوگئیں۔

دورِ اول کا طریقِ تحصیلِ علم غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کی قوم جس کو قرآنِ کریم نے امّی ہونے کا لقب دیا ہے اور جس کو خود بھی اپنے امی ہونے پر فخر تھا تحصیلِ علم کے لئے جس پہلی درسگاہ میں داخل ہوئی ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک تھی یہاں نہ کسی رسمی درسگاہ کا سند یافتہ معلم ان کا مربی تھا نہ کوئی مرتب کتاب ان کے سامنے تھی صرف ان ہی میں کا ایک امی انسان ان کے پیشِ نظر تھا جسے وہ خدا کا رسول تسلیم کرچکے تھے اور بس۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ اول میں اختلاف نہ ہونے کے اسباب

اسی بنا پر اس کی نشست و برخاست، نطق و سکوت، طعام و لباس، آمد و رفت غرضکہ جملہ عادات و عبادات کی جو وضع دیکھ لیتے اسی کو اپنا دستور العمل بنا لیتے جو کہہ دیتا اُسے خدا کا حکم تصور کرتے اور جو کر لیتا اسے رضائے الٰہی کا یقینی ذریعہ سمجھتے خلاصہ یہ کہ آپ کے کلماتِ طیبات کا سننا اور یاد کرنا یہی ان کا سبق تھا اور اپنے عمل کو آپ کے عمل کے مطابق بنانے میں لگا رہنا یہی ان کا عمل تھا اس لئے ان کی سادہ فطرت اور سادہ دماغ میں جو پہلا نقش قائم ہوا وہ حق ہی حق اور صواب ہی صواب تھا پھر مزید براں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرِ صحبت کو ان علوم نے ان میں ایسا رسوخ اور ایسی نورانیت پیدا کر دی تھی کہ وہ خود ایک معیارِ حق و باطل بن گئی تھے۔ اسی طرح قرآن کی ایک ایک آیت ان کے سامنے اترتی رہی اور وہ اس کی صحیح سے صحیح تفسیر آپ کے طرزِ عمل میں پڑھتے رہے یہاں تک کہ تمام کا تمام دین انھوں نے نہایت سہولت اور صحت کے ساتھ اس طرح سیکھ لیا جس طرح ایک بچہ بلا کسی تکلف و تکلیف اپنے والدین کے پورے پورے رنگ ڈھنگ اور طور طریق سیکھ لیتا ہے۔ ایسے ماحول میں اختلاف و افتراق کا کیا گذر ہو سکتا تھا۔

قرآنِ کریم کی اس عملی اور زندہ تصویر کے روپوش ہو جانے کے بعد گو تحصیل دین میں اب وہ سہولت تو باقی نہیں تھی مگر چونکہ اصل کی عکسی تصاویر بکثرت چلتی پھرتی موجود تھیں اس لئے قرآن پڑھنے والے اگر کہیں اٹکتے تو ان عکسی تفسیروں سے اس کا حل کر لیتے لیکن جب یہ عکسی تصاویر و تفاسیر گم ہوتی چلی گئیں۔

دوسرے دور کا طریقہ ذہنی انتشار اور ماحول کا اختلاف فہم مراد میں مخل ہوتا ہے

ادھر اسلام عرب سے نکل کر مختلف سمتوں میں پھیل گیا تو وہ طریقِ تعلیم و تعلم بھی بدل گیا۔ علومِ رسمیہ اور اہلِ عجم کی کثرتِ اختلاط کی وجہ سے ذہن منتشر ہو گئے اندازِ فکر بدل گیا۔ قرآنِ کریم کے صرف الفاظ سامنے رہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات و تفصیلات کا جو ذخیرہ پہنچا وہ بھی بشکلِ الفاظ پہنچا اس لئے چون و چرا اور لا و نعم کا دروازہ کھل گیا عقلاء نے اپنی عقل کے بھروسہ پر اور بے علموں نے اہلِ علم ہونے کی غلط فہمی میں دین کو تختۂ مشق بنا لیا اور رفتہ رفتہ وہ اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے جن کی بنیاد عقائد تھی اور جن کو دین کا اختلاف کہا جا سکتا تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com